میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کے چشم و چراغ ان مہاجرین میں شامل نہ ہوں، کسی کا بیٹا گیا تو کسی کا داماد، کسی کی بیٹی گئی تو کسی کا بھائی اور کسی کی بہن۔ ابوجہل کے بھائی سلمہ بن ہشام اس کے چچا زاد بھائی ہشام بن ابی حذیفہ اور عیاش بن ابی ربیعہ، اور اس کی چچا زاد بہن حضرت ام سلمٰی، ابوسفیان کی بیٹی ام حبیبہ، عتبہ کے بیٹے اور ہندہ جگرخور کے سگے بھائی ابوحذیفہ، سہیل بن عمرو کی بیٹی سہلہ اور اسی طرح دوسرے سرداران قریش اور مشہور دشمنانِ اسلام کے اپنے جگر گوشے دین کی خاطر گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے تھے۔ اسی لیے کوئی گھر نہ تھا جو اس واقعہ سے متاثر نہ ہوا ہو۔ بعض لوگ اس کی وجہ سے اسلام دشمنی میں اور سخت ہوگئے اور بعض کے دلوں میں اس کا ایسا اثر ہوا کہ آخر کار وہ مسلمان ہو کر رہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کی اسلام دشمنی پر سب سے پہلی چوٹ اسی واقعہ سے لگی۔ ان کی ایک قریبی عزیزہ لیلیٰ بنت ابی حثمہ بیان کرتی ہیں کہ میں ہجرت کے لیے سامان باندھ رہی تھی اور میرے شوہر عامر بن ربیعہ کام سے باہر گئے ہوئے تھے اتنے میں عمرؓ آئے اور میری مشغولیت دیکھتے رہے، کچھ دیر کے بعد کہنے لگے "عبداللہ کی ماں جا رہی ہو؟" میں نے کہا "ہاں! خدا کی قسم تم لوگوں نے ہمیں بہت ستایا ہے۔ خدا کی زمین بڑی کھلی پڑی ہے۔ اب ہم کسی ایسی جگہ چلے جائیں گے جہاں خدا ہمیں چین دے۔" یہ سن کر عمرؓ کے چہرے پر رقت کے ایسے آثار طاری ہوئے جو میں نے کبھی ان پر نہ دیکھے تھے اور بس یہ کہہ کر نکل گئے کہ "خدا تمہارے ساتھ ہو۔"

ہجرت کے بعد قریش کے سردار سر جوڑ کر بیٹھے اور انہوں نے عبداللہ بن ابی ربیعہ (ابوجہل کے ماں جائے بھائی) اور عمرو بن العاص کو بہت سے قیمتی تحائف کے ساتھ حبش بھیجا تاکہ یہ لوگ کسی نہ کسی طرح نجاشی کو اس بات پر راضی کریں کہ وہ ان مہاجرین کو مکہ واپس بھیج دے۔ ام المومنین حضرت ام سلمیٰؓ (جو خود مہاجرین حبشہ میں شامل تھیں) یہ واقعہ بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ قریش کے یہ دونوں ماہر سیاسیات سفیر ہمارے تعاقب میں حبش پہنچے۔ پہلے انہوں نے نجاشی کے اعیانِ سلطنت میں خود ہیرے تقسیم کیے۔ سب کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ مہاجرین مکہ کو واپس کرنے کے لیے نجاشی پہ بالاتفاق زور دیں گے۔ پھر نجاشی سے ملے اور اسے بیش قیمت نذرانے دینے کے بعد کہا کہ "ہمارے شہر کے چند نادان لونڈے بھاگ کر آپ کے ہاں آ گئے ہیں اور قوم کے اشراف نے ہمیں آپ کے پاس ان کی واپسی کی درخواست کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ یہ لڑکے ہمارے دین سے نکل گئے ہیں اور آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے ہیں بلکہ انھوں نے ایک نرالا دین نکال لیا ہے۔" ان کا کلام ختم ہوتے ہی درباری ہر طرف سے بولنے لگے کہ ایسے لوگوں کو ضرور واپس کر دینا چاہیے ان کی قوم کے لوگ زیادہ جانتے ہیں کہ ان میں عیب کیا ہے انھیں رکھنا ٹھیک نہیں ہے۔ مگر نجاشی نے بگڑ کر کہا کہ "اس طرح تو میں انھیں حوالے

نہیں کروں گا، جن لوگوں نے دوسرے ملکوں کو چھوڑ کر میرے ملک پر اعتماد کیا اور یہاں پناہ لینے کے لیے آئے اُن سے بے وفائی نہیں کر سکتا۔ پہلے میں انھیں بلا کر تحقیق کروں گا کہ یہ لوگ ان کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے۔" چنانچہ نجاشی نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دربار میں بلا بھیجا۔

نجاشی کے دربار میں

نجاشی کا پیغام پا کر سب مہاجرین یکجا ہوئے اور انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ بادشاہ کے سامنے کیا کہنا ہے۔ آخر سب نے بالاتفاق یہ فیصلہ کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیم ہمیں دی ہے ہم تو وہی بے کم و کاست پیش کریں گے۔ خواہ نجاشی ہمیں نکال دے یا رکھے۔ دربار میں پہنچے تو چھوٹتے ہی نجاشی نے سوال کیا "تم لوگوں نے کیا کیا کہ اپنی قوم کا دین بھی چھوڑا اور میرے دین میں بھی داخل نہ ہوئے نہ دنیا کے دوسرے ادیان ہی میں سے کسی کو اختیار کیا؟ آخر یہ تمہارا اپنا دین ہے کیا؟" اس پر مہاجرین کی طرف سے جعفرؓ بن ابی طالب نے ایک برجستہ تقریر کی جس میں عرب کی دینی، اخلاقی و معاشرتی خرابیوں کو بیان کیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر کر کے بتایا کہ آپ کیا تعلیمات پیش فرماتے ہیں، پھر ان مظالم کا ذکر کیا جو آنحضورؐ کی پیروی کرنے والوں پر قریش کے لوگ ڈھا رہے تھے اور اپنا کلام اس بات پر ختم کیا کہ دوسرے ملکوں کی بجائے ہم نے آپ کے ملک کا رخ اس امید پر کیا ہے کہ یہاں ہم پر ظلم نہ ہوگا۔"

نجاشی نے تقریر سُن کر کہا کہ ذرا مجھے وہ کلام سناؤ، جو تم کہتے ہو کہ خدا کی طرف سے تمہارے نبی پر اترا ہے۔ حضرت جعفرؓ نے جواب میں سورہ مریم کا وہ ابتدائی حصہ سنایا جو حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام سے متعلق ہے۔ نجاشی اس کو سنتا رہا اور روتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کی داڑھی تر ہو گئی۔ جب حضرت جعفرؓ نے تلاوت ختم کی تو اس نے کہا: "یقیناً یہ کلام اور جو کچھ عیسیٰ علیہ السلام لائے تھے دونوں ایک ہی سرچشمے سے نکلے ہیں۔ خدا کی قسم میں تمہیں ان لوگوں کے حوالے نہیں کروں گا۔"

دوسرے روز عمرو بن العاص نے نجاشی سے کہا کہ ذرا ان لوگوں کو بلا کر یہ تو پوچھیے کہ عیسیٰ بن مریمؑ کے بارے میں ان کا عقیدہ کیا ہے؟ یہ لوگ ان کے متعلق ایک بری بات کہتے ہیں۔ نجاشی نے پھر مہاجرین کو بلا بھیجا۔ مہاجرین کو پہلے عمرو کی چال کا علم ہو چکا تھا۔ انھوں نے جمع ہو کر پھر مشورہ کیا کہ اگر نجاشی نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سوال کیا تو کیا جواب دو گے؟ موقع بڑا نازک تھا اور سب پریشان تھے مگر پھر بھی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فیصلہ کیا کہ جو کچھ ہوتا ہے ہو جائے ہم تو وہی بات کہیں گے جو اللہ نے فرمائی اور اللہ کے رسول نے سکھائی۔ چنانچہ جب یہ لوگ دربار میں گئے تو نجاشی نے عمرو بن العاص کا پیش کردہ سوال اُن

کے سامنے دوہرایا تو جعفر بن ابی طالب نے اٹھ کر بلا تامل کہا: "ھُوَ عَبْدُ اللّٰہِ و رسولہ و روحہ و کلمتہ القاھا الی مریم العذراء البتول" "وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کی طرف سے ایک روح اور ایک کلمہ ہیں جسے اللہ نے کنواری مریم پر القا کیا"۔ نجاشی نے سن کر ایک تنکا زمین سے اٹھایا اور کہا "خدا کی قسم جو کچھ تم کہتے ہو عیسیٰؑ اس سے ایک تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں تھے"۔ اس کے بعد نجاشی نے قریش کے بھیجے ہوئے تمام ہدیے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ میں رشوت نہیں لیتا اور مہاجرین سے کہا کہ تم بالکل اطمینان سے رہو۔

ہے ترکِ وطن سنّتِ محبوبِ الٰہی

مخالفینِ دعوت کی طرف سے مزاحمت پوری شدت اختیار کر چکی ہے۔ وہ نبی اور پیروانِ نبی کو اپنے درمیان برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ان سے اب یہ امید باقی نہیں رہی ہے کہ تفہیم و تلقین سے راہِ راست پر آجائیں گے اب انھیں انجام سے خبردار کرنے کا موقع آگیا ہے جو نبیؐ کو آخری اور قطعی طور پر رد کر دینے کی صورت میں انھیں لازماً دیکھنا ہوگا۔

اس انجام کا آغاز ہجرت سے ہوا جس میں نبیؐ نے اس زمین کو چھوڑ دیا، جو دعوتِ حق کے لیے بنجر ہو گئی تھی اور پھر آٹھ سال بعد اس میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے۔

مکی دور کے آخری تین چار سالوں میں یثرب میں اسلام کی شعاعیں مسلسل پہنچ رہی تھیں اور وہاں کے لوگ متعدد وجوہ سے عرب کے دوسرے قبیلوں کی بہ نسبت زیادہ آسانی کے ساتھ اس روشنی کو قبول کرتے جا رہے تھے آخر کار نبوت کے بارہویں سال حج کے موقع پر ۷۵ نفوس کا ایک وفد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کی تاریکی میں ملا اور اس نے نہ صرف یہ کہ اسلام قبول کیا بلکہ آپؐ اور آپؐ کے پیرووں کو اپنے شہر میں جگہ دینے پر بھی آمادگی ظاہر کی۔ یہ اسلام کی تاریخ میں ایک انقلابی موقع تھا، جسے خدا نے اپنی عنایت سے فراہم کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بڑھا کر پکڑ لیا۔ اہلِ یثرب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو محض ایک پناہ گزین کی حیثیت سے نہیں بلکہ خدا کے نائب اور اپنے امام و فرمانروا کی حیثیت سے بلا رہے تھے اور اسلام کے پیروؤں کو ان کا بلاوا اس لیے نہ تھا کہ وہ ایک اجنبی سرزمین میں محض مہاجر ہونے کی حیثیت سے جگہ پالیں بلکہ مقصد یہ تھا کہ عرب کے مختلف قبائل اور خطوں میں جو مسلمان منتشر ہیں۔ وہ یثرب میں جمع ہو کر اور یثربی مسلمانوں سے مل کر ایک منظم معاشرہ بنالیں۔ اس طرح یثرب نے دراصل خود اپنے آپ کو مدینۃ الاسلام کی حیثیت سے پیش کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول کر کے عرب میں پہلا دار السلام بنالیا۔

عرب کو چیلنج

اس پیش کش کے معنی جو کچھ تھے اس سے اہلِ مدینہ ناواقف نہ تھے۔ اس کے صاف معنی

یہ تھے کہ ایک چھوٹا سا قصبہ اپنے آپ کو پورے ملک کی تلواروں اور معاشی و تمدنی بائیکاٹ کے مقابلہ میں پیش کر رہا تھا۔ چنانچہ بیعتِ عقبہ کے موقع پر رات کی اس مجلس میں اسلام کے ان مددگاروں (انصار) نے اس نتیجہ کو خوب اچھی طرح جان بوجھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دیا تھا۔ عین اس وقت جب کہ بیعت ہو رہی تھی یثربی وفد کے ایک نوجوان رکن اسعد بن زرارہؓ نے جو پورے وفد میں سب سے کم سن شخص تھا اٹھ کر کہا:

"ٹھہرو اے اہلِ یثرب! ہم لوگ ان کے پاس آئے ہیں تو یہ سمجھتے ہوئے آئے ہیں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور انھیں یہاں سے نکال کرلے جانا تمام عرب سے دشمنی مول لینا ہے اس کے نتیجہ میں تمہارے نونہال قتل ہوں گے اور تلواریں تم پر برسیں گی لہٰذا اگر تم اس کو برداشت کرنے کی طاقت اپنے اندر پاتے ہو تو ان کا ہاتھ پکڑو اور اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور اگر تمہیں اپنی جانیں عزیز ہیں تو پھر چھوڑ دو اور صاف صاف عذر کر دو۔ کیونکہ اس وقت عذر کر دینا خدا کے نزدیک زیادہ قابلِ قبول ہو سکتا ہے۔"

اس بات کو وفد کے ایک دوسرے شخص عباس بن عبادہ بن نَضْلَہ نے دہرایا:

"جانتے ہو اس شخص سے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟" (آوازیں، "ہاں ہم جانتے ہیں") "تم اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے دنیا بھر سے لڑائی مول لے رہے ہو۔ پس اگر تمہارا خیال یہ ہو کہ جب تمہارا مال تباہی کے اور تمہارے اشراف ہلاکت کے خطرے میں پڑ جائیں تو تم اسے دشمنوں کے حوالے کر دو گے تو بہتر ہے آج ہی اسے چھوڑ دو۔ کیونکہ خدا کی قسم یہ دنیا اور آخرت کی رسوائی ہے اور اگر تمہارا ارادہ یہ ہے کہ جو بلاوا تم اس شخص کو دے رہے ہو اس کو اپنے اموال کی تباہی اور اپنے اشراف کی ہلاکت کے باوجود نباہ کر سکو گے تو بیشک اس کا ہاتھ تھام لو کہ خدا کی قسم یہ دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔"

اس پر تمام وفد نے بالاتفاق کہا (ترجمہ) "ہم اسے لے کر اپنے اموال کی تباہی اور اپنے اشراف کو ہلاکت میں ڈالنے کے لیے تیار ہیں۔" تب وہ مشہور بیعت واقع ہوئی جسے تاریخ میں بیعتِ عقبہ ثانیہ کہتے ہیں۔

قریش کے لیے ہجرت کے نتائج

دوسری طرف اہلِ مکہ کے لیے یہ معاملہ جو معنی رکھتا تھا۔ وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہ تھا۔ در اصل اس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جن کی زبردست شخصیت اور غیر معمولی قابلیت سے قریش کے لوگ واقف ہو چکے تھے، ایک ٹھکانا میسّر آ رہا تھا اور ان کی قیادت و رہنمائی میں پیروانِ اسلام کو جن کی عزیمت و استقامت اور فدائیت کو بھی قریش ایک حد تک آزما چکے تھے ایک منظم جتھے کی صورت میں جمع ہوئے جاتے تھے۔ یہ پرانے نظام کے لیے موت کا پیغام تھا۔ نیز مدینہ جیسے مقام پر مسلمانوں کی اس طاقت کو مجتمع ہوتے دیکھ کر قریش کو مزید خطرہ یہ تھا کہ یمن سے

شام کی طرف جو تجارتی شاہراہ ساحلِ بحرِ احمر کے کنارے کنارے جاتی تھی اور جس کے محفوظ رہنے پر قریش اور دوسرے بڑے بڑے مشرک قبائل کی معاشی زندگی کا انحصار تھا وہ مسلمانوں کی زد میں آجاتی تھی اور اس شہ رگ پر ہاتھ ڈال کر مسلمان نظامِ جاہلی کی زندگی دشوار کر سکتے تھے۔ صرف اہلِ مکہ کی وہ تجارت جو اس شاہراہ کے بل پر چلتی تھی، ڈھائی لاکھ اشرفی سالانہ تک پہنچتی تھی۔ طائف اور دوسرے مقامات کی تجارت اس کے ماسوا تھی۔ قریش ان نتائج کو خوب سمجھتے تھے۔ جس رات بیعتِ عقبہ واقع ہوئی اسی رات اس معاملہ کی بھنک اہلِ مکہ کے کانوں میں پڑی اور پڑتے ہی کھلبلی مچ گئی۔ پہلے تو انھوں نے اہلِ مدینہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے توڑنے کی کوشش کی۔ پھر جب مسلمان ایک ایک دو دو کرکے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے لگے تو قریش کو یقین ہو گیا کہ اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں منتقل ہو جائیں گے۔ اور وہ اس خطرے کو روکنے کے لیے آخری چارہ کار اختیار کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

قتل کا منصوبہ

یہ اس موقعے کا ذکر ہے جب کہ قریش کا یہ اندیشہ یقین کی حد کو پہنچ چکا تھا کہ اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینے چلے جائیں گے۔ اس وقت وہ آپس میں کہنے لگے کہ اگر یہ شخص مکہ سے نکل گیا تو پھر خطرہ ہمارے قابو سے باہر ہو جائے گا۔ چنانچہ انھوں نے آپؐ کے معاملہ میں آخری فیصلہ کرنے کے لیے دار الندوہ میں تمام رؤسائے قوم کا ایک اجتماع کیا اور اس پر باہم مشاورت کی کہ اس خطرے کا سدِ باب کس طرح کیا جائے۔ ایک فریق کی رائے یہ تھی کہ اس شخص کو بیڑیاں پہنا کر ایک جگہ قید کر دیا جائے اور جیتے جی رہا نہ کیا جائے، لیکن اس رائے کو قبول نہ کیا گیا۔ کیونکہ کہنے والوں نے کہا کہ اگر ہم نے اسے قید کر دیا تو اس کے ساتھی قید خانے سے باہر ہوں گے وہ برابر اپنا کام کرتے رہیں گے اور جب ذرا بھی قوت پکڑ لیں گے تو اسے چھڑانے کے لیے جان کی بازی لگانے میں بھی دریغ نہیں کریں گے۔ دوسرے فریق کی رائے یہ تھی کہ اسے اپنے ہاں سے نکال دو پھر جب یہ ہمارے درمیان نہ رہے تو ہمیں اس سے کچھ بحث نہیں کہ کہاں رہتا ہے اور کیا کرتا ہے بہر حال اس کے وجود سے ہمارے نظامِ زندگی میں خلل پڑنا تو بند ہو جائے گا۔ لیکن اسے بھی یہ کہہ کر رد کر دیا گیا کہ یہ شخص جادو بیان آدمی ہے۔ دلوں کو موہ لینے میں اسے بلا کا کمال حاصل ہے اگر یہ یہاں سے نکل گیا تو نامعلوم عرب کے کن کن قبیلوں کو اپنا پیرو بنا لے گا اور پھر کتنی قوت حاصل کرکے قلبِ عرب کو اپنے اقتدار میں لانے کے لیے حملہ آور ہو گا۔ آخر کار ابوجہل نے یہ رائے پیش کی کہ ہم اپنے تمام قبیلوں میں سے ایک ایک عالی نسب تیز دست جوان منتخب کریں اور یہ سب مل کر یکبارگی محمدؐ پر ٹوٹ پڑیں اور اسے قتل کر دیں۔ اس طرح محمدؐ کا خون تمام قبیلوں پر تقسیم ہو جائے گا اور بنی عبد مناف کے لیے ناممکن ہو جائے

گا کہ یہ سب سے لڑ سکیں۔ اس لیے مجبوراً خوں بہا پر فیصلہ کرنے کے لیے راضی ہو جائیں گے۔ اس رائے کو سب نے پسند کیا۔ قتل کے لیے آدمی بھی نامزد ہو گئے اور قتل کا وقت بھی مقرر کر دیا گیا۔ حتّٰی کہ جو رات اس کام کے لیے تجویز کی گئی تھی اس میں ٹھیک وقت پر قاتلوں کا گروہ اپنی ڈیوٹی پر پہنچ بھی گیا لیکن . . .

ہجرت

آپؐ عین اس وقت رات کو، جو قتل کے لیے مقرر کی گئی تھی، مکّہ سے نکل کر مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ مسلمانوں کی بڑی تعداد دو دو چار چار کر کے پہلے ہی مدینہ جا چکی تھی۔ مکّہ میں صرف وہی مسلمان رہ گئے تھے جو بالکل بے بس تھے یا جو صرف دل میں ایمان چھپائے ہوئے تھے اور ان پر کوئی بھروسہ نہ کیا جا سکتا تھا۔ اس حالت میں جب آپؐ کو معلوم ہوا کہ آپ کو قتل کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے تو آپؐ صرف ایک رفیق حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر مکّہ سے نکلے اور اس خیال سے کہ آپؐ کا تعاقب ضرور کیا جائے گا۔ آپؐ نے مدینہ کی راہ چھوڑ کر جو شمال کی جانب تھی، جنوب کی راہ اختیار کی۔ یہاں تین دن تک آپؐ غارِ ثور میں چھپے رہے۔ خون کے پیاسے دشمن آپؐ کو ہر طرف ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ اطرافِ مکّہ کی وادیوں کا کوئی گوشہ انھوں نے نہ چھوڑا جہاں آپؐ کو تلاش نہ کیا ہو۔ اسی سلسلہ میں ایک مرتبہ ان میں سے چند لوگ عین اس غار کے دہانے پر بھی پہنچ گئے جس میں آپؐ چھپے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کو سخت خوف لاحق ہوا کہ اگر ان لوگوں میں سے کسی نے ذرا آگے بڑھ کر جھانک لیا تو وہ ہمیں دیکھ لے گا۔ لیکن نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اطمینان میں ذرا فرق نہ آیا اور آپؐ نے ابوبکرؓ کو یہ کہہ کر تسکین دی کہ "غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

ہجرت مسلمانوں کا شعار ہے اور خداوند تعالیٰ کی جانب سے اپنے ماننے والوں کی صداقت اور عزم و ہمّت جانچنے کا طریقہ۔ جب نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مدینہ ہجرت فرمائی تو سب مسلمان آہستہ آہستہ مکّہ چھوڑ کر مدینہ آ گئے اس مرحلہ پر مومنین کو جس سخت آزمائش سے گذرنا پڑا اور اس آزمائش سے جس جرأت و ہمّت سے وہ گذر گئے وہ تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔

جس ظلم کے ساتھ یہ لوگ نکالے گئے اس کا اندازہ کرنے کے لیے ذیل کے چند واقعات ملاحظہ ہوں:

حضرت صہیبؓ رومی جب ہجرت کرنے لگے تو کفّارِ قریش نے ان سے کہا کہ تم یہاں خالی ہاتھ آئے تھے اور اب خوب مالدار ہو گئے ہو تم جانا چاہو تو خالی ہاتھ ہی جا سکتے ہو، اپنا مال نہیں لے جا سکتے۔ حالانکہ انھوں نے جو کچھ کمایا تھا اپنے ہاتھ کی محنت سے کمایا تھا۔ کسی کا دیا نہیں کھاتے تھے آخر وہ غریب دامن جھاڑ کر کھڑے ہو گئے اور سب کچھ ظالموں کے حوالے کر کے اس حال میں مدینے پہنچے کہ تن کے کپڑوں کے سوا ان کے پاس کچھ نہ تھا۔

حضرت اُمِّ سلمہؓ اور ان کے شوہر ابو سلمہؓ اپنے دودھ پیتے بچے کو لے کر ہجرت کے لیے نکلے۔ بنی مغیرہ (ام سلمہؓ کے خاندان) نے راستہ روک لیا اور ابو سلمہ سے کہا کہ تمہارا جہاں جی چاہے پھرتے رہو مگر ہماری لڑکی کو لے کر نہیں جا سکتے مجبوراً بیچارے بیوی کو چھوڑ کر چلے گئے پھر بنی عبدالاسد (ابو سلمہؓ کے خاندان والے) آگے بڑھے اور انہوں نے کہا کہ بچہ ہمارے قبیلہ کا ہے، اسے ہمارے حوالے کرو اس طرح بچہ بھی ماں اور باپ دونوں سے چھین لیا گیا۔ تقریباً ایک سال تک حضرت ام سلمہ رضؓ بچے اور شوہر کے غم میں تڑپتی رہیں اور آخر بڑی مصیبت سے بچے کو حاصل کر کے مکّہ سے اس حال میں نکلیں کہ اکیلی عورت گود میں بچّہ لیے اونٹ پر سوار تھی اور ان راستوں پر جا رہی تھی جن سے مسلّح قافلے بھی گذرتے ہوئے ڈرتے تھے۔

عیاش بن ربیعہؓ ابو جہل کے ماں جائے بھائی تھے۔ حضرت عمرؓ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے۔ پیچھے پیچھے ابو جہل اپنے ایک بھائی کو ساتھ لے کر جا پہنچا اور بات بنائی کہ اماں جان نے قسم کھا لی ہے کہ جب تک عیاش کی شکل نہ دیکھ لوں گی نہ دھوپ سے سائے میں جاؤں گی اور نہ سر میں کنگھی کروں گی۔ اس لیے تم بس چل کر انھیں صورت دکھا دو پھر واپس آجانا۔ وہ بیچارے ماں کی محبت میں ساتھ ہو لیے راستے میں دونوں بھائیوں نے ان کو قید کر لیا اور مکّے میں انھیں لے کر اس طرح داخل ہوئے کہ وہ رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے اور دونوں بھائی پکارتے جا رہے تھے کہ "اے اہلِ مکہ! اپنے ان نالائق لونڈوں کو یوں سیدھا کرو، جس طرح ہم نے کیا ہے" کافی مدت یہ بیچارے قید رہے اور آخر کار ایک جانباز مسلمان انھیں نکال لانے میں کامیاب ہوا۔

مسلمانوں کا یہ عمل اس بے مثال اخلاقی تربیت کا براہِ راست نتیجہ تھا جو مکی زندگی کے پورے دور میں قرآن کی راہنمائی میں نبی کریمؐ نے ان کو دی۔ ان کو بتایا گیا تھا کہ ہجرت کرنے میں فکرِ جان کی طرح فکرِ روزگار سے بھی پریشان نہ ہونا چاہیے۔ آخر یہ بے شمار چرند و پرند اور آبی حیوانات جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہوا، خشکی اور پانی میں پھر رہے ہیں، ان میں سے کون اپنا رزق اٹھائے پھرتا ہے، اللہ ہی تو ان سب کو پال رہا ہے۔ جہاں جاتے ہو اللہ کے فضل سے کسی نہ کسی طرح رزق مل ہی جاتا ہے۔ لہٰذا تم یہ سوچ کر ہمت نہ ہارو کہ اگر ایمان کی خاطر گھر بار چھوڑ کر نکل گئے تو کھائیں گے کہاں سے۔ اللہ جہاں سے اپنی بے شمار مخلوق کو رزق دے رہا ہے، تمہیں بھی دے گا۔ ٹھیک یہی بات ہے جو سیّدنا مسیح علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمائی تھی۔ انھوں نے فرمایا:

"کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کر سکتا کیونکہ یا تو ایک سے عداوت رکھے گا اور دوسرے سے محبت یا ایک سے ملا رہے گا اور دوسرے کو ناچیز جانے گا۔ تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت